نبیلہ عزیز

ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔

منزہ' ثمینہ اور نیو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیو کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید اور عزت کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ دیتی ہے۔ تاہم عزت کھل کر اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ ولید ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ روتی ہے۔ اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا' عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔



اٹھائیسویں قسط



اسکرین پر رضا حیدر کا نام جگمگا رہا تھا جس پہ ماورا کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے اور بی گل نے اس چیز کو بڑی گہری نظر سے نوٹ کیا تھا کیونکہ ماورا موبائل کی اسکرین کی جانب بہت ہی عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کس کا فون ہے؟" اب بی گل کی نظروں کے ساتھ ساتھ ان کا لہجہ بھی جتا تا ہوا تھا۔

"تیمور کی پرسنل کال ہے۔" اس نے کہتے ہوئے موبائل واپس میز پہ رکھ دیا تھا۔

"اچھا۔؟" بی گل نے یوں "اچھا" کہا جیسے اس کی پرسنل کال کا مطلب بھی سمجھ گئی ہوں۔ اور اس سے پہلے کہ ماورا بی گل اور عافیہ بیگم کے ساتھ دوبارہ سے سلسلہ کلام جوڑتی ایک بار پھر گھنٹی بجنے لگی تھی۔

اور اب کی بار ماورا کے دل میں نجانے کیا سمائی کہ اس نے بہت ہی سہولت سے موبائل اٹھا کر کال ریسیو کرلی تھی۔

"ہیلو۔؟" اس کی آواز سرد تھی۔

اور دوسری طرف تیمور کے موبائل پہ کسی لڑکی کی آواز سن کر رضا حیدر کے دہکتے دماغ پہ مزید چوٹ پڑی تھی۔

"کون ہو تم۔؟" ان کے لہجے میں رتی برابر بھی لچک نہیں تھی۔ اور ماورا ان کے سوال پہ چند سیکنڈز کے لیے چپ ہو گئی تھی۔

"میں پوچھ رہا ہوں۔ کون ہو تم۔؟" انہوں نے شدید غصے سے اور چبا کر کہا تھا۔

"ماورا مرتضیٰ۔" ماورا کا لہجہ مضبوط اور دو ٹوک ہو رہا تھا۔

اب کی بار رضا حیدر کی طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

"کون ماورا مرتضیٰ۔؟" اگلے ہی پل وہ پھر سے اپنے سابقہ لب و لہجے میں لوٹ چکے تھے۔

"یہ سوال آپ اپنے آپ سے پوچھیں۔" وہ ہنوز دو ٹوک بات کر رہی تھی۔

"دیکھو لڑکی! مجھ سے سیدھی سیدھی بات کرو۔ کون ہو تم؟" وہ کرختی سے بولے تھے۔

"کیوں اپنے آپ سے سوال کرتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔؟" ماورا نے طنزیہ پوچھا۔

"بکواس بند کرو اپنی۔" وہ فون پر ہی دھاڑے ان کا پارہ بڑی جلدی ہائی ہو جاتا تھا۔

"کچھ سوچ سمجھ کر منہ سے الفاظ نکالیں۔ رشتے میں آپ کی بہو بھی ہوتی ہوں۔ مسز تیمور حیدر۔" ماورا کے انداز میں دنیا بھر کا سکون تھا۔ اور اس کا یہ سکون رضا حیدر کا سارا سکون غارت کر گیا تھا۔

ماورا آنکھوں سے اوجھل رہ کر بھی بخوبی محسوس کر سکتی تھی کہ فون کی دوسری طرف کیا بیتی ہے؟ کیونکہ ماورا مرتضیٰ کے بعد مسز تیمور حیدر ہونے کا انکشاف بھی کچھ کم نہیں تھا۔

"میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔" رضا حیدر کی ہمت بھی بلا کی تھی۔

"میں جانتی ہوں۔ جو شخص کسی کے قدموں تلے سے زمین اور سر سے چھت کھینچ سکتا ہے' وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ زبان کھینچ لینا کون سا مشکل کام ہے۔؟"

ماورا رفتہ رفتہ کھل رہی تھی اور رضا حیدر کے چودہ طبق روشن ہوتے جا رہے تھے۔

"لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ جیسی نہیں ہوں۔ میں آپ سے کچھ نہیں چھینوں گی۔ کیونکہ میں علی مرتضیٰ کی بیٹی ہوں۔ مجھے چھیننا نہیں آتا۔ میری رگوں میں اعلا ظرف باپ کا خون ہے۔ میں کسی کم ظرف کی اولاد نہیں ہوں۔" وہ کہتے کہتے تلخ ہو گئی تھی۔

رضا حیدر کا خون کھول اٹھا تھا۔ انہوں نے یک دم فون بند کر دیا تھا۔ اور ماورا اپنے ہاتھ میں پکڑے ساکت و صامت موبائل کو دیکھتی رہ گئی۔

"رضا حیدر کا فون تھا...؟" اب کی بار سوال عافیہ بیگم کی طرف سے آیا تھا۔
"جی ہاں۔ اس کا تھا۔" ماورا اندر ہی اندر تپ رہی تھی۔
"تمیز سے بات کرو۔ تمہیں اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ تمہارے..."
"امی پلیز! ابھی میں تیمور کے لیے ریلیکس ہوئی ہوں۔ نارمل ہوئی ہوں۔ ابھی کچھ ٹائم۔ کچھ وقت لگے گا۔ مجھے ریلیکس ہونے دیں۔ سب کچھ اتنی جلدی ٹھیک نہیں ہوگا۔" ماورا اپنے اعصاب کو کنٹرول رکھنے کی کوشش میں اندر سے سچ مچ چڑچڑی اور قدرے نڈھال بھی ہو چکی تھی۔
"دیکھو بیٹا۔ رشتے بنانے میں بہت ٹائم لگتا ہے لیکن رشتے بگڑنے میں لحہ بھی نہیں لگتا۔ اس سے پہلے کہ کچھ غلط ہو تم سب کچھ خود سنبھال لو۔ اپنے آپ کو مضبوط رکھو اور سب کچھ فیس کرو۔" عافیہ بیگم کے اندر اتنا تحمل اور اتنا اطمینان کہاں سے آیا تھا یہ بات وہ خود بھی نہیں جانتی تھیں۔
پتا نہیں کیسے ان کے اندر کا ڈر اور خوف دور جا سویا تھا۔
"امی! میں سچ مچ بدل چکی ہوں۔ تیمور کی محبت کے سامنے میری نفرت بہت کم ہے۔ میں اسے تکلیف نہیں دے سکتی۔ لیکن رضا حیدر کو یہ بات کون سمجھائے؟"
ماورا کا لہجہ بہت الجھا ہوا تھا اور یہی الجھن بی گل اور عافیہ بیگم کے چہرے پہ بھی نقش ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ماورا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اگلی صورت حال سے کیسے گزرنا ہے؟

✡ ✡ ✡

"سر! آپ سے مسٹر تیمور حیدر ملنے کے لیے آئے ہیں۔" آفاق اپنے کسی کام میں مصروف تھا جب اس کی پی اے نے اسے اطلاع پہنچائی تھی۔
اور آفاق لیپ ٹاپ پر کام کرتے کرتے چونک گیا تھا۔
"اچھا۔ بھیجو اسے۔" آفاق نے فوراً "اسے بھیجنے کا کہا تھا اور اگلے چند لمحوں میں تیمور اس کے سامنے موجود تھا۔
"السلام علیکم۔" تیمور نے بڑے ہشاش بشاش لہجے میں سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام۔ آج کیسے سورج مغرب سے نکلا...؟" آفاق بھی جواباً "بڑی خوش دلی سے پیش آیا تھا۔
"تمہیں بتایا تو تھا کہ یہ سورج مغرب سے ضرور نکلے گا۔" تیمور اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے ہنسا تھا۔
"ہاں۔ یاد آیا۔ تم نے اطلاع دی تھی۔ بس میں ہی بھول گیا۔" آفاق نے یاد آنے پر اپنی غلطی تسلیم کی۔
"تم تو دنیا بھلائے بیٹھے ہو۔ یہ تو محض ایک بات ہے۔" تیمور نے جان بوجھ کے اس پر چوٹ کی تھی۔
"میری دنیا میرے گھر میں ہے۔" آفاق کا اشارہ فاریہ کی طرف تھا۔ "اور تم گھر سے بھی بھاگ رہے ہو اور دنیا سے بھی۔" تیمور نے اگلا وار بھی خالی نہیں جانے دیا تھا۔
"کیا بات ہے آج بڑے اکھڑے اکھڑے سے لگ رہے ہو...؟" آفاق نے اس کی بات کو نارمل ہی لیا تھا۔
"جب کوئی اپنا بیگانوں جیسی حرکت کرے تو منہ سے اکھڑے اکھڑے الفاظ ہی نکلتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے کرسی کی طرف بڑھا۔
"بیگانوں جیسی حرکت۔" آفاق کو حیرت ہوئی تھی۔
"اکیلے مرنا اور اکیلے جینا بیگانوں جیسی ہی حرکت ہے ناں...؟" تیمور نے سوالیہ نظریں اس کے چہرے پہ گاڑ دی تھیں۔ اور آفاق کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"کیا ہوا' کچھ غلط کہہ دیا میں نے۔؟" تیمور کا سوالیہ انداز ہنوز تھا۔
"کیا مطلب۔ میں سمجھا نہیں۔؟" آفاق انجان بننے میں ماہر ہو چکا تھا۔
"بیٹھو! مطلب میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔" تیمور نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی کرسی سنبھال لی تھی۔
آفاق کچھ سمجھ اور کچھ نا سمجھی کے سے انداز میں دیکھتے ہوئے واپس اپنی کرسی پہ بیٹھ گیا تھا۔
"چائے آرڈر کرو۔" تیمور نے جان بوجھ کر نارمل انداز اپنایا تھا۔
"کیا ؟" آفاق کو اس کی اس بے تکلفی پہ بھی حیرت ہوئی تھی۔
"میں نے کہا' چائے آرڈر کرو۔ چائے پینے کا موڈ ہو رہا ہے۔" تیمور نے وجہ بتائی اور آفاق نے چپ چاپ اس کی فرمائش کی تکمیل کی تھی۔
"فارہ کیسی ہے؟" تیمور کا اگلا سوال بھی غیر متوقع تھا۔
"ٹھیک ہے۔" آفاق نے مختصراً" بتایا۔
"خوش ہے۔؟" اس کا ہر سوال امید کے برعکس سامنے آرہا تھا۔
"ہاں۔!" آفاق ہر سوال کے ساتھ الجھتا ہی جا رہا تھا۔
"کتنی خوش ہے۔؟" سوال پہ سوال جاری تھا۔
"یہ تو وہی بتا سکتی ہے۔" آفاق بھلا کیا بتا سکتا تھا۔
"اچھا۔ انکل اور آنٹی کا تو بتا سکتے ہو ناں؟ وہ کتنے خوش ہیں تم سے۔؟" تیمور کے سوالات عجیب سے عجیب تر تھے۔
"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔؟" آفاق نے بڑے ٹھہراؤ سے پوچھا تھا۔
"میں بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن کو تم دکھ دینے سے بچا رہے ہو' وہ لوگ پھر بھی خوش نہیں ہیں۔ کیونکہ ادھوری خوشی پورے غم سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ جس کا اندر ہی اندر دھڑکا لگا رہتا ہے کہ شاید ابھی چھن جائے۔۔۔ شاید ابھی چھن جائے اور یہ ہی حال ان کا بھی ہے۔ ادھوری خوشی انہیں خوش نہیں ہونے دے رہی۔۔۔ اس لیے بہتر ہے کہ یا تو انہیں پورا غم دے دو۔۔۔ یا پھر پوری خوشی۔۔۔ آخر ان کا یہ دھڑکا تو ختم ہو۔"
تیمور نے اسے کافی گہرائی سے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور جواباً" آفاق چپ کا چپ رہ گیا۔
"دیکھو آفاق۔۔۔! اگر وہ انیق کا غم سہ گئے ہیں تو یہ غم بھی سہ جائیں گے اور تم تو انیق سے کئی گنا زیادہ بہتر ہو۔۔۔ صحت مند ہو۔۔۔ مضبوط ہو۔۔۔ بہادر ہو۔۔۔ وہ تو تم سے اس وقت بچہ تھا۔۔۔ بیماری نے اسے کمزور کر دیا تھا۔۔۔ وہ نہیں سہ سکا۔۔۔ اور تم تو اتنے عرصے سے اکیلے جنگ لڑتے آرہے ہو اور مجھے پورا یقین ہے۔۔۔ تم یہ جنگ جیت جاؤ گے۔۔۔ کیونکہ تمہارے اندر حوصلے کی طاقت ہے۔"
تیمور نے بات کرتے کرتے اس کی ہمت بندھائی تھی۔
اور آفاق نے گہری سانس کھینچتے ہوئے جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے۔
"تو تمہیں پتا چل چکا ہے۔" اس کا انداز شکست خوردہ سا تھا۔
"خوش قسمتی سے۔۔۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔
"کس نے بتایا۔۔۔؟ ڈاکٹر شاہ نواز نے یا پھر زوبیہ شاہ نواز نے۔۔۔" آفاق کو پتا تھا کہ ان دونوں باپ بیٹی کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا۔
"جس نے بھی بتایا ہے۔۔۔ تم بس یہ بتاؤ کہ تم نے اب کیا کرنا ہے؟ کیا سوچا ہے؟" تیمور اس سے اگلی بات پوچھ

رہا تھا۔
"کیا مطلب؟ کیا سوچا ہے؟" آفاق نے سر اٹھا کر تیمور کو دیکھا۔
"آپریشن کے لیے۔۔۔؟" تیمور نے اب صاف سوال کیا تھا۔
"نہیں۔۔۔ میں آپریشن نہیں کرواؤں گا۔" اس نے فوراً سے بھی پیشتر انکار کر دیا۔
"کیوں؟ آپریشن کیوں نہیں کرواؤ گے؟" تیمور نے ذرا سختی سے پوچھا۔
"میری زندگی کے جتنے دن باقی ہیں' میرے لیے وہی کافی ہیں۔" آفاق کی طرف سے انکار تھا۔
"تمہارے لیے کافی ہیں لیکن تمہارے گھر والوں کے لیے کافی نہیں ہیں' تمہارے ماں' باپ اور تمہارے بیوی بچوں کو تمہاری زندگی کے چند دن نہیں بلکہ تمہاری پوری زندگی چاہیے' جس کے لیے تمہیں یہ رسک لینا ہی ہوگا۔۔۔ تمہارا آپریشن تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے ہے۔ دیر مت کرو۔۔۔"
تیمور اسے بار بار مجبور کر رہا تھا لیکن آفاق کی اپنی ہی ایک الگ سوچ تھی۔
"اگر اس رسک میں زندگی کے چند دن بھی باقی نہ رہے تو پھر۔۔۔ پھر میرے گھر والے کیا کریں گے؟" آفاق نے تیمور کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔۔۔ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تمہاری زندگی کتنی ہے؟ میری زندگی کتنی ہے؟ یہ تو ہم دونوں ہی نہیں جانتے۔ میں تمہیں زندگی جینے کے لیے فورس کر رہا ہوں۔ تم بیمار ہو لیکن تمہاری زندگی زیادہ ہو۔۔۔ میں تندرست ہوں' صحت مند ہوں۔۔۔ لیکن میری زندگی کم ہو۔۔۔ زندگی کا کوئی بھروسا ہے۔۔۔ بھلا۔" تیمور نے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔
"یار! بات یہ نہیں ہے۔۔۔ میں موت سے ڈر نہیں رہا۔ مجھے بھی مام' ڈیڈ اور فارہ کا ہی خیال ہے۔ ان ہی کی خاطر اس رسک کو ٹالتا آرہا ہوں۔۔۔ ورنہ میں اکیلا اگر اتنی تکلیف سہہ سکتا ہوں' تو سمجھو کہ کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ آپریشن کروانا مشکل نہیں تھا میرے لیے مگر میں انیق جیسا دکھ۔۔۔" آفاق بات کرتے کرتے رک گیا تھا۔
"دیکھو آفاق۔۔۔ سب کی قسمت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو یہی معجزہ دکھانا ہو کہ تم دونوں بھائی ہو۔۔۔ ایک ہی خون ہو۔۔۔ ایک ہی بیماری کا سامنا کرنا پڑا لیکن ایک کی قسمت میں زندگی اور ایک کی قسمت میں موت لکھ دی ہو؟" تیمور نے ایک اور دلیل اس کے سامنے رکھی تھی۔
"ہاں ہو سکتا ہے۔ میں کب انکار کر رہا ہوں۔۔۔ لیکن محبت انسان کو کمزور بنا دیتی ہے۔ اچھا بھلا انسان بزدل بن جاتا ہے۔۔۔ شاید میں بھی بن گیا۔۔۔ بزدل اور کمزور۔" آفاق نے سر جھکا تھا اور تیمور مسکرا رہا تھا۔ "کبھی کبھی محبت مضبوط بھی بنا دیتی ہے۔۔۔ تم کمزوری کو چھوڑ کر مضبوطی کی طرف بھی آسکتے ہو۔۔۔ بس مزید حوصلے کی ضرورت ہے تمہیں۔۔۔"
"مگر کیسے۔۔۔؟" آفاق کے لہجے میں بے بسی تھی۔
"آپریشن کی تیاری کرو۔" تیمور نے اصل بات کی۔۔۔
"لیکن تیمور۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔
"لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔ تم بس تیاری کرو۔۔۔ باقی معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔" تیمور کہہ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔
"تم۔۔۔؟" آفاق نے سوالیہ دیکھا۔
"ہاں۔۔۔ میں۔۔۔ کیونکہ میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گا۔۔۔ خود آپریشن کرواؤں گا۔۔۔ اور ان شاء اللہ تمہیں ٹھیک ٹھاک واپس لے کر آؤں گا۔۔۔ ان شاء اللہ۔۔۔" تیمور کے لہجے میں یقین تھا اور آفاق مزید کچھ نہیں کہہ سکا

تھا۔ اتنے میں پیون چائے لے آیا اور تیمور مسکرا دیا۔
"کیا ہوا؟" آفاق نے اس کے ہنسنے کی وجہ پوچھی۔
"بس اب چائے کا موڈ نہیں رہا۔" تیمور نے شرارت سے کہتے ہوئے چائے کے کپ دیکھے۔
"کیوں... اب کیوں موڈ نہیں رہا..." آفاق کو تو آج بس حیرت پہ حیرت ہو رہی تھی۔
"کیونکہ اب مسئلہ حل ہو چکا ہے۔" تیمور مزید مسکرایا۔
"مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے تم مجھے ہنی مون کے لیے رضامند کرنے آئے تھے اور اب میرے رضامند ہو جانے پہ خوش ہو رہے ہو..." آفاق نے اب ذرا خوش گوار موڈ کے ساتھ اس کا مذاق اڑایا تھا۔
"وہ تو آج کل میرے اپنی بیوی کو رضامند کرنے کے دن ہیں۔" تیمور کے خیال کے پردے پہ ماورا کا عکس لہرایا تو لہجہ خود بخود ہی مسحور سا ہو گیا تھا۔
"تو پھر میرے پیچھے کیوں پڑے ہو... جاؤ... بھابی کے پاس جاؤ... وہ انتظار کر رہی ہوں گی۔ انہیں کہیں گھماؤ پھراؤ... ہنی مون کے لیے رضامند کرو۔" آفاق نے اسے چھیڑا تھا۔
"تمہارے آپریشن کے بہانے ہنی مون ہی تو منانے جا رہا ہوں۔" تیمور کی شرارت عروج پہ تھی۔
"اوہ... اچھا... اچھا... مطلب کہ بھابی بھی ساتھ جا رہی ہیں؟"
آفاق کو اس کی بات کا مفہوم بڑی جلدی سمجھ میں آگیا تھا۔
"آف کورس... ورنہ میں اکیلا تمہارے ساتھ جھک مارنے جا رہا ہوں کیا؟" تیمور کی شرارت پہ آفاق نے قدرے پرسوچ نظروں سے دیکھا تھا۔
"کیا سوچ رہے ہو؟" تیمور نے بھی نوٹ کر لیا۔
"سوچ رہا ہوں کہ ہنی مون پہ تو ہم بھی نہیں گئے... تو کیوں نا میں بھی اپنی بیوی کو ساتھ لے چلوں؟" آفاق کی بات پہ تیمور کا ایک فلک شگاف قہقہہ گونجا تھا۔
"ہاہاہا..."
"اب اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے؟" آفاق نے اسے گھورا۔
"ہنسنے والی بات یہ ہے کہ تم آپریشن کروانے جا رہے ہو... ہنی مون منانے نہیں... ہنی مون منانے تو میں جا رہا ہوں۔" تیمور نے پھر اسے چھیڑا تھا۔
"یہ تو پھر ناانصافی ہوئی نا؟" آفاق نے مسکین سی شکل بنائی اور تیمور ہنستا ہوا وہاں سے نکل آیا تھا۔
اور آفاق اسے دیکھتا رہا... کیونکہ اس نے پہلی بار تیمور کو اس قدر خوش گوار موڈ میں دیکھا تھا' ورنہ وہ ہمیشہ ہی کافی لیے دیے سے انداز میں رہتا تھا۔

✡ ✡ ✡

ولید رات کو خاصا لیٹ آیا تھا۔ اس لیے دن چڑھے تک سوتا رہا اور ابھی مزید نہ جانے کتنی دیر سوتا کہ اچانک اس کے فون نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔
"اف... اس وقت کون ٹپک پڑا۔" اس نے بے زاری سے بڑبڑاتے ہوئے کال ریسیو کی۔
"السلام علیکم..." عزت نے بڑے تمیزدارانہ انداز میں سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام... کون..." ولید تکیے میں منہ دیے تقریباً غنودگی میں ہی فون سن رہا تھا۔
"مسز ولید رحمان..." اب کی بار وہ چبا کر بولی تھی۔

"کون مسز ولید رحمان..." اس نے ہنوز اسی انداز میں پوچھا۔
"عزت... عزت رحمان..." وہ بہت زیادہ برداشت سے کام لے رہی تھی اور ولید بے دھیانی میں ہی اس کی برداشت آزمائے جارہا تھا۔
"عزت... آج کل کسی کی کوئی عزت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں... اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ نیند میں جو منہ میں آرہا تھا بولے جارہا تھا اور عزت غصے سے لال پیلی ہونے لگی تھی۔
"میں فون بند کررہی ہوں۔" عزت نے تلملا کر دھمکی دی تھی۔
"اپنی مرضی سے فون کیا ہے... اب اپنی مرضی سے بند کردو... میں نے روکا تو نہیں۔" اس نے جیسے غنودگی میں ہی لاپروائی کا اظہار کیا تھا اور عزت یک دم غصے سے چیخ اٹھی تھی۔
"ولید..." وہ اتنی زور سے چیخی کہ ولید کے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے۔
"ہوں... ہاں... کک کون... عزت..."
وہ یک دم ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا تھا لیکن عزت اتنے میں فون بند کرچکی تھی اور ولید موبائل اسکرین پہ کال کا وقت دیکھ کر جیسے بستر پہ ہی اچھل پڑا تھا۔
"سات منٹ... اف... اس نے سات منٹ بات کی اور میں... میں نیند میں ہی... او گاڈ..." اس نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔
اور فوراً سے پیشتر اس کا نمبر ڈائل کیا تھا لیکن عزت نے فون کاٹ دیا۔
ولید نے دوبارہ کیا... اس نے دوبارہ بھی کاٹ ہی دیا تھا۔
"اٹھ گئے تم..." زبیدہ خاتون اس کی بڑبڑاہٹ کی آواز سن کے اندر آگئی تھیں۔
"جی... اٹھ گیا ہوں۔" وہ اپنے آپ کو کوستے ہوئے بولا۔
"ناشتا گرم کروں؟"
"نہیں امی... پہلے اسے تو ٹھنڈا کرلوں۔" وہ بے چارگی سے بولا۔
"کس کو..." وہ ناسمجھی سے بولیں۔
"آپ کی بہو کو..." ولید کہہ کر بستر سے اٹھا اور جوتے پہن کر اسی طرح الجھے بکھرے حلیے میں باہر نکل گیا تھا۔
"کہاں جارہے ہو... کیا ہوا ہے؟" زبیدہ خاتون کو الجھن ہوئی تھی۔
"وہ ناراض ہوگئی ہے' اس کو منانے جارہا ہوں۔" ولید فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔ یعنی وہ چھت پہ جارہا تھا عزت کو فون کرنے کے لیے۔
"ہوں اچھا..." زبیدہ خاتون سرہلا کر رہ گئی تھیں اور وہ اوپر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"بھائی نے شادی کرلی...؟" عزت نے غصہ ٹھنڈا ہوتے ہی پہلا سوال یہ ہی کیا تھا۔
"ارے نہیں... نہیں... تمہارا بھائی ماشاء اللہ بہت ہی پرہیزگار آدمی ہے... شریعت کا قائل... اور صوم و صلوٰۃ کا پابند... اس نے شادی نہیں کی... اس نے نکاح کیا ہے... صرف نکاح..." ولید چڑ کے بولا تھا۔
"تو آپ کیوں آہیں بھر رہے ہیں؟" عزت نے خفگی سے پوچھا۔
"آہیں نہ بھروں تو اور کیا کروں؟ اپنا نکاح کرکے انجوائے کرتا پھر رہا ہے... اور میرے ساتھ ظلم کرکے میرا خیال ہی نہیں کیا بھی... الٹا بہن کو دبئی بجھوا دیا... اور اوپر سے یہ پابندی کہ رابطہ بھی نہیں رکھنا..." ولید تو آج

دکھے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔
"یعنی وہ رخصتی بھی کروا چکے ہیں؟" عزت کو مزید حیرت ہوئی تھی۔
"رخصتی... خیر چھوڑو..." ولید رخصتی کے لفظ پہ تڑپا پھر سر جھکا کر چپ ہو گیا تھا۔
"کیوں کیا ہوا؟ آپ چپ کیوں ہو گئے؟"
"کچھ نہیں بس جانے دو... یہ بتاؤ کہ آج پکچر کیوں نہیں بھیجی؟ میں نے کہا بھی تھا کہ مجھے تمہاری ڈیلی پکچر ملنی چاہیے؟" ولید نے ذرا غصے اور سختی سے پوچھا تھا۔
"بس... وہ رات سے بابا کافی پریشان ہیں اور وہ شادی کا فنکشن اس طرح چھوڑ کر بھی نہیں آسکتے... ورنہ بھائی کی شادی کا سن کر کافی غصے کی حالت میں ہیں... ان سے یہ ٹائم گزارنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔"
یہ تو صرف عزت ہی دیکھ رہی تھی کہ اس کے بابا پہ کیا بیت رہی ہے۔ البتہ ولید کو رضا حیدر کی حالت کا سن کر کافی ہنسی بھی آئی تھی لیکن پھر دبا گیا تھا۔
"تو پھر آج ایسا کرو... آج اپنی نہیں اپنے بابا کی پکچر بھیج دو۔ میں جا کر ان کے سپوت کو دکھاتا ہوں... کہ دیکھو تم نے کیا حال کر دیا ہے۔" ولید کی شرارتی رگ پھڑک چکی تھی۔
"ولید آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے؟" عزت نے خفگی سے کہا۔
"نہیں... مجھے تو صرف تم سوجھ رہی ہو لیکن کہیں میسر نہیں آرہی ہو۔" اس نے پٹڑی بدل لی تھی۔
"میرا خیال ہے میں فون بند کر دوں۔" اس نے ولید کو خبردار کیا۔
"کر دو بند... آخر کب تک کرو گی... کبھی تو آئے گا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" ولید نے آہ بھر کے کہا اور عزت اپنی ہنسی دبا گئی تھی۔
"او کے... اللہ حافظ..." عزت نے فون بند کرنا چاہا۔
"ارے رکو... سنو تو..." ولید نے اسے روکا۔
"ہوں... کہیے سن رہی ہوں؟" وہ رک گئی تھی۔
"کب آرہی ہو...؟" ولید نے کچھ ایسے افسردہ سے لہجے میں پوچھا کہ عزت بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔
"جب آپ کہیں..." وہ بھی بڑے لاڈ سے بولی تھی۔
"آج ہی آجاؤ..." ولید حقیقتاً اسے مس کر رہا تھا۔
"آپ آنکھیں بند کرو... اپنے دل پہ ہاتھ رکھو... اور مجھے محسوس کرو... سمجھو میں آگئی۔" عزت نے بہت نرم گرم سا احساس دلایا تھا اور ولید نے سچ مچ آنکھیں بند کر کے دل پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔
"آئی مس یو..." عزت نے بے حد سرگوشی سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔
"آئی فیل اٹ..." ولید بھی بے حد آہستگی سے کہتا آہ بھر کے رہ گیا تھا۔
"ولید... ولید... یہ کیا ہو رہا ہے؟" زبیدہ خاتون چھت پہ کپڑے پھیلانے کے لیے آئیں تو ولید کو اس طرح آنکھیں بند کیے کھڑے دیکھ کر تعجب سے دیکھنے لگیں۔
"یوگا... یوگا ہو رہا ہے امی... آپ کی بہو نے کہا ہے کہ ایسا یوگا کیا کرو۔"
ولید چونک کر متوجہ ہوا اور پھر سر جھٹک کر کہتا ہوا نیچے آگیا اور زبیدہ خاتون ایک بار پھر حیران اور الجھی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہ گئی تھیں۔
"عجیب بہکی بہکی حرکتیں کر رہا ہے آج..." وہ بڑبڑاتے ہوئے کپڑے پھیلا رہی تھیں۔

✲ ✲ ✲

"مجھے مس کیا؟" تیمور آفس سے سیدھا ماورا کے گھر آیا تھا اسے لینے کے لیے اور گاڑی میں بیٹھتے ہی پہلا سوال یہ ہی کیا تھا۔

"آپ کا سیل یہیں رہ گیا تھا۔ دن میں کالز آتی رہیں آپ کی۔" ماورا نے اپنے بیگ سے اس کا موبائل نکال کر اس کے سامنے کیا۔

"مجھے نہ سیل کی پروا ہے' نہ کالز کی۔۔۔ تم اپنی بات کرو۔۔۔ تمہارا دن کیسا گزرا۔۔۔؟" تیمور نے لاپروائی سے سیل ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا تھا۔

اور اس کے سوال پہ ماورا نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر دوبارہ پلکیں جھکالی تھیں۔

"اداس گزرا۔" ماورا کا جواب مختصر تھا۔

"کیوں۔۔۔؟" اور تیمور کا سوال بے ساختہ۔۔۔

"آپ کے لیے۔۔۔" غیر متوقع جواب۔۔۔ تیمور کو یقین نہیں آیا تھا۔

"کس کے لیے۔۔۔؟" اس نے پھر سوال کیا۔

"آپ کے لیے۔۔۔" اس نے بھی وہی جواب دیا تھا اور اس نے یک دم گاڑی کو بریک لگادیے تھے۔

"کیا ہوا؟" ماورا نے گردن موڑ کر دیکھا۔

"ایکسیڈنٹ ہوجائے گا۔" تیمور نے اسٹیرنگ سے ہاتھ ہٹالیے تھے۔

"کیوں۔۔۔؟" ماورا اس کے چہرے پہ پھیلی خوشی کے رنگ دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا دن اداس گزرا۔۔۔ یہ سن کر میری شام خوشی سے رنگین ہوگئی ہے۔" تیمور کا لہجہ چہک رہا تھا۔

"کیوں۔۔۔ آپ کو یقین نہیں تھا کہ میں آپ کے لیے اداس ہوسکتی ہوں؟" ماورا نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔

"تم میری فیلنگز نہیں سمجھ سکتیں۔" تیمور ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا گاڑی سے اتر گیا تھا اور پھر چند سیکنڈز کے توقف سے ماورا بھی گاڑی سے اتر آئی تھی۔

"فیلنگز تو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ کبھی کبھی انسان خود اپنی بھی فیلنگز نہیں سمجھ پاتا۔ ہر چیز سمجھ سے باہر ہوجاتی ہے۔" ماورا اس کے برابر آکھڑی ہوئی تھی۔

"ہوں۔۔۔ بالکل اسی طرح میری سمجھ سے اور میرے یقین سے باہر ہے کہ تم میرے ساتھ ہو؟ میرے برابر کھڑی ہو۔ میری ہوچکی ہو۔۔۔ میں تمہیں چھو سکتا ہوں۔ تمہارا لمس محسوس کرسکتا ہوں۔" تیمور نے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑلیا تھا۔

"اگر آپ کو میرے ساتھ پہ یقین نہیں آرہا تھا تو پھر آپ کو مجھ پہ بھی یقین نہیں آئے گا۔" ماورا کے ذہن پہ رضا حیدر کا خیال سوار تھا۔

"ایسی بات مت کرو۔ تم پہ تو آنکھیں بند کرکے یقین کرسکتا ہوں۔" تیمور اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے تھپک رہا تھا۔

"اس بات کو یاد رکھیے گا۔ یہ بات میرے اور آپ کے تعلق کے لیے بہت ضروری ہے۔" ماورا نے اسے اپنی بات پہ قائم رہنے کی تاکید کی تھی اور تیمور نے مسکرا کر سرہلادیا تھا۔

"اچھا۔۔۔ یہ بتاؤ تمہاری وہ ریڈ کلر کی ریسٹ واچ کہاں ہے؟" تیمور کو وہ گھڑی یاد آگئی جو اس نے ماورا کی کلائی

میں گھڑی پہلے دن دیکھی تھی۔

"کون سی۔۔۔؟" ماورا کو یاد نہیں آیا۔

"جو تم نے اس روز بس میں بھی پہنی ہوئی تھی۔ بلکہ تم اکثر پہنتی ہو۔" تیمور نے یاد دلایا۔

"وہ ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ خراب ہو گئی۔۔۔ وضو کرنے کے لیے اتار کر رکھی اور نیچے گر گئی۔"

"اچھا۔۔۔ مگر تمہاری کلائی میں اچھی لگتی ہے وہ۔۔۔ آؤ نئی لے کر آتے ہیں۔" تیمور نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"نہیں ابھی نہیں۔۔۔ ابھی گھر چلتے ہیں۔۔۔ پھر کبھی سہی۔۔۔" ماورا نے اسے روکا۔

"پھر کبھی کس نے دیکھی ہے۔۔۔ ابھی چلو۔۔۔ میرا دل چاہ رہا ہے تمہاری کلائی میں ریڈ کلر کی رسٹ واچ دیکھنے کو۔۔۔" تیمور نے ضد کی تھی۔

"مگر تیمور۔۔۔" وہ جھنجلائی۔

"کوئی اگر مگر نہیں۔۔۔ تم آؤ میرے ساتھ۔" تیمور اسے کھینچ کر اگلی نشست تک لایا اور اسے اندر بٹھا دیا تھا۔ پھر خود بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

اور ابھی اس نے گاڑی آگے بڑھائی ہی تھی کہ اس کے فون پہ عزت کا میسج آ گیا۔

"کہاں ہیں؟ کیسے ہیں بھائی؟" تیمور نے تیزی سے اسے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔۔۔ تمہاری بھابھی کے لیے رسٹ واچ لینے جا رہا ہوں۔" وہ شرارت سے بتا رہا تھا۔

"رسٹ واچ۔۔۔؟" عزت کو حیرت ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ اور تم کیسی ہو؟ اور باقی سب۔۔۔" تیمور نے امی اور بابا کا پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔۔۔ ہم کل واپس آ رہے ہیں۔" عزت نے اصل اطلاع پہنچائی۔

"کل۔۔۔" تیمور ایک دم رک گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)